ڈاکٹر شکیل احمد خان

تقسیم سے قبل حیدر آباد (سندھ) میں اردو شاعری

URDU POETRY IN HYDERABAD (SINDH), BEFORE PARTITION

ABSTRACT

Hyderabad is an ancient and historical city of Sindh as well as an intellectual hub of Sindh in past and in contemporary times, too. This city enjoys on edge over other cities of Sindh because of its rich literary and cultural background and traditions as well. Besides Sindhi language, the literary environment of Hyderabad has nourished very tradition of Urdu prose and poetry. Urdu emerged as a prominent language of Sindh during the Kalhora government (1777-1783 A.D).

After words, both Kalhora and Talpur rulers of Sindh, not only patronized Urdu but promoted it along with other languages of Sindh. They organized literary activities/events like multilingual mushairas during their regime mainly at Hyderabad. When British conquered Sindh, the literary activities went on with the same pace and potential.

This article includes in itself historical background of Hyderabad coupled with a review on the poetry of 41 prominent poets of the city, who rendered poetry in Urdu, took part in literary activities held at that time and, thus, played their practically possible role in the development of Urdu language in pre-partition times.

ا۔ تاریخی پس منظر:

حیدر آباد صوبہ سندھ کا دوسرا بڑا شہر ہے جب کہ پاکستان میں اس کا شمار چند بڑے شہروں میں ہوتا ہے، یہ ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے جس کے آثار زمانۂ قبل مسیح سے بتائے جاتے ہیں:

"زمین سے بلند اس ٹیکری پر جسے لوگ گنجو ٹکر کہتے ہیں۔ پہلے پہلے جس بستی نے جنم لیا تاریخ دان اس کا نام 'رون' بتاتے ہیں جسے بعد میں مؤرخوں نے 'ارون' اور بعضوں نے 'ارون پور' لکھا

ہے۔۔۔دوبارہ اس جگہ کا ذکر 'پٹالہ'، 'پٹاپور' اور 'پٹالہ بندر' کے مختلف ناموں سے ملتا ہے جس کے بارے میں صرف یہ معلوم ہے کہ ۳۲۷ قبل مسیح میں مقدونیہ کے عظیم سپہ سالار سکندر اعظم نے جب اس علاقے پر یلغار کی تو ان ناموں میں سے کسی ایک نام کا شہر یہاں آباد تھا"۱

اس کے علاوہ مختلف تواریخ ''نزہتہ الارواح''، ''روضۃ الافراح فی تواریخ الحکماء المتقدمین والمتاخرین''، ''فتوح البلدان'' وغیرہ میں اس شہر کا ذکر کچھ اور ناموں سے بھی آیا ہے، مگر چھٹی صدی عیسوی میں یہ شہر ''نیرون کوٹ'' کے نام سے جانا گیا:

''قدیم تاریخی روایات کے مطابق اس بستی کی آبادی کا سلسلہ نیرون کوٹ کی بنیاد سے شروع ہوا، یہ قلعہ چھٹی صدی عیسوی کے آخر زمانے میں رائے خاندان کی حکومت میں برہمن آباد کے گورنر کے ماتحت تھا'' (ترجمہ راقم)۲

آٹھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں یہاں فاتح سندھ محمد بن قاسم کے آنے کا پتا چلتا ہے:

''۷۱۲ء(۹۴ھ) میں محمد بن قاسم دیبل فتح کرنے کے بعد 'نیرون کوٹ' پہنچا اور اس وقت تصدیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جس پہاڑی ٹکڑے پر قلعہ تعمیر تھا، اس کا نام 'نیرون' تھا اور اسی حوالے سے اس کو 'نیرون پہاڑی کا قلعہ' یا 'قلعہ نیرون' کہا جاتا تھا'' (ترجمہ راقم)۳

فتح نامہ عرف چچ نامہ میں محمد بن قاسم کی آمد پر یہاں کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن قاسم قلعہ نیرون سے باہر بروری کے علاقے میں ایک چراگاہ میں منزل انداز ہوا۔ جسے ''بلہار'' (سرسبز جگہ) کہتے تھے۔ مہران (دریائے سندھ جو اس وقت مشرق میں بہت دور بہتا تھا) کا پانی اس وقت تک یہاں نہیں آیا تھا اس وجہ سے لشکر کو پانی کی سخت تکلیف ہوئی، کچھ عرصے بعد بارش ہو گئی اور شہر سے باہر جتنے تالاب تھے، پانی سے بھر گئے، شہر کی آبادی قلعے کے اندر تھی اور دروازے بند تھے، لہٰذا شہر کے لوگوں سے کسی قسم کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی تھی ایک اور جگہ لکھا ہے کہ قلعہ نیرون پہاڑی پر ہے اس کے قریب ایک تالاب ہے جس کا پانی عاشقوں کی آنکھوں سے زیادہ صاف اور اس کی چراگاہ باغِ ارم سے زیادہ دلفریب ہے۔

محمد بن قاسم کی آمد کے بعد یہاں اسلامی دور کا آغاز ہوا:

''نیرون کوٹ والوں نے محمد بن قاسم سے صلح کر لی اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا، یہ فروری، مارچ ۷۱۲ء(۹۴ھ) کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد 'نیرون کوٹ' کا تاریخی اسلامی دور شروع ہوتا ہے'' (ترجمہ راقم)۴

آٹھویں صدی سے اٹھارویں صدی تک نیرون کوٹ سے متعلق کوئی باقاعدہ یا تفصیلی احوال نہیں ملتا، البتہ کچھ تاریخی کتابوں جیسے ''تاریخ سندھ'' از ابو ظفر ندوی، ''تذکرہ مسعودی، فتوح البلدان'' از بلاذری، ''تحفۃ الکرام'' از شیر علی قانع، ''تاریخ سندھ'' از مولانا غلام رسول'' میں اس شہر کا تذکرہ آتا ہے۔ اسی طرح اصطخری، ابن حوقل، مقدسی، یعقوبی، ابن اثیر، ابن خلدون اور ابو عبداللہ محمد الادریسی نے بھی اس شہر کا ذکر کیا ہے (طوالت کے سبب حوالوں سے اجتناب کیا گیا ہے)۔ اس کے علاوہ اس شہر میں بزرگانِ دین کی آمد کا بھی پتا چلتا ہے:

''یہاں مسلمان سیاح، محققین اور علماء آتے رہے، تقریباً بارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ایک برگزیدہ شخص مکہ سے آئے جنہوں نے اس بستی کو اپنی آرام گاہ بنایا۔ یہ برگزیدہ شخصیت شیخ سعد محمد مکی تھے جن کی درگاہ شاہ مکائی یا 'جیئے شاہ' کے نام سے آج بھی مشہور ہے''۔۵

دیگر بزرگوں میں شاہ بخاری، محمود شاہ بخاری اور مخدوم احمد نے بھی نیرون کوٹ کو اپنا مسکن بنایا، اس کے بعد نیرون کوٹ سے متعلق ہمیں تاریخی حوالے، اٹھارویں صدی عیسوی میں ملتے ہیں:

''یہ مقام آب و ہوا کے اعتبار سے اچھا تھا اس لیے کہ اس کی مغربی سمت میں دریائے سندھ بہتا تھا اور مشرقی سمت میں دریائے مذکور کی ایک شاخ گزرتی تھی جو آج کل پھلیلی کے نام سے موسوم ہے، دوسرے اس مقام کو مملکتِ سندھ میں مرکزی حیثیت حاصل تھی، تیسرے دریا کے ذریعے سے شمالاً جنوباً آمد و رفت اور تجارت میں بڑی آسانیاں تھیں۔

میاں صاحب (غلام شاہ کلہوڑا) نے اس مقام کو دارالسلطنت بنانے کا ارادہ کیا۔ ذی قعدہ ۱۱۸۲ھ (مارچ ۱۷۶۹ء) میں اس مقام پر قلعے کی تعمیر کا حکم دے دیا گیا، پھر مہاجنوں اور عاملوں کو آس پاس مکانوں کے لیے زمین عطا کر دی گئی تھوڑی ہی دیر میں یہ مقام ایک پر رونق شہر بن گیا، حیدرآباد اس کا نام رکھا گیا، ایک سال کے بعد میاں صاحب اسی شہر میں منتقل ہو گئے''۔۶

غلام رسول مہر ایک انگریز مورخ میجر جنرل ہیگ کے حوالے سے اس قلعے کی تعمیر کی بابت مزید لکھتے ہیں:

''اس جگہ ایک قلعہ تعمیر ہوا جس کا نام حیدرآباد رکھا، کلہوڑوں کا یہ آخری اور سب سے بڑا تعمیری کارنامہ ۱۷۶۸ء میں شروع ہوا۔ ۱۷۷۰ء میں فرماں روا نے اس میں سکونت اختیار کی''۔۷

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس قلعے اور شہر کو بسانے میں غلام شاہ کلہوڑو نے اہم کردار ادا کیا، قدیم نیرون کوٹ کی جگہ پر تعمیر ہونے والا یہ عظیم الشان قلعہ جو ۳۶ مربع ایکڑ رقبے پر پھیلا

ہوا ہے جب تکمیل کو پہنچا تو خیر و برکت کے لیے قرآن سے رجوع کیا گیا:

"قلعے اور شہر کی تعمیر کا سال ۱۱۸۲ھ اس قرآنی آیت سے برآمد ہوا 'یارب اجعل ھذاالبلد امنا' یعنی 'اے میرے مالک اس شہر کو امن والا کر' یہ ہی مادۂ تاریخ سنگِ مرمر کے کتبے پر کندہ کروایا گیا جو بہ طور سنگِ بنیاد قلعے کے دروازے کے اوپر نصب کرایا گیا"۔[۸]

میاں صاحب کے انتقال (۱۱۸۶ھ) کے بعد آپس کی ریشہ دوانیوں اور اقتدار کے حصول میں کی جانے والی سازشوں کی وجہ سے کلہوڑا دورِ حکومت کا ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۳ئ) میں خاتمہ ہوا اور تالپروں کی حکومت کا آغاز ہوا اور انہوں نے حیدرآباد کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور یہاں کی آبادی پر بھرپور توجہ دی:

"۱۷۸۹ء میں فتح علی خان خدا آباد کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر باقاعدہ تجویز اور تیاری کے ساتھ حیدرآباد آئے اور اس شہر کو پایۂ تخت اور مرکز حکومت بنایا گیا، پہلے شہر کی ترتیب اور آبادی پر توجہ دی۔۔۔ سب سے زیادہ توجہ کاریگروں اور ہنرمندوں کی آبادی پر دی گئی تاکہ صنعت و حرفت کو ترقی ہو اور کارخانوں کے ذریعے شہر کو پُررونق اور مال دار بنایا جائے۔۔۔ میر فتح علی خاں کے عہد اور اس کے بعد حیدرآباد ان ہنرمندوں اور کاریگروں کا مرکز بن گیا، جلاہے، دھوبی، رنگریز، زردوز، پاٹولی (ریشم رنگنے والے)، سنار، چوڑی گر، وینھبر (موتیوں کا کام کرنے والے) نقاش وغیرہ شہر کی آبادی کا اہم حصہ بن گئے"۔[۹]

سندھ میں انگریزوں نے اپنی اقتصادی کوٹھی ۱۶۳۵ء میں ٹھٹہ میں قائم کی اور آہستہ آہستہ جیسا کہ ان کا طریقہ کار رہا ہے اپنے قدم جمانے شروع کیے، جس کا نتیجہ بالآخر ۱۸۴۳ء میں سندھ پر قبضے کی صورت میں ظاہر ہوا، انگریزوں سے شکست کے بعد تالپر خاندان کے عہدِ حکومت کا بھی خاتمہ ہوا، سر چارلس نیپیئر سندھ کا پہلا انگریز فاتح اور گورنر تھا، اس نے سندھ کو بمبئی سے ملانے کے علاوہ اس میں تین صوبے کراچی، حیدرآباد اور شکارپور قائم کیے۔ برطانوی دورِ حکومت میں حیدرآباد کی مرکزی حیثیت بھی ختم ہوئی اور صدر مقام کراچی منتقل کر دیا گیا اور یہاں کے حکمرانوں کو کلکتہ کی جیل میں ڈال دیا گیا، ان کے خزانے لوٹ لیے گئے، عوام کو دبانے کے لیے یہاں مستقل چھاؤنی قائم کر دی گئی اور سوچی سمجھی سازش کے تحت مسلمانوں کو اقتصادی اور تعلیمی میدانوں میں پیچھے رکھا گیا مگر اس کے ساتھ ساتھ انگریز اور ہندوؤں نے اس شہر کی تعمیر و ترقی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا:

"حیدرآباد جو کبھی مسلمانوں کا شہر تھا، معاشی اور سماجی طور پر آہستہ آہستہ ہندوؤں کے کنٹرول میں ہوتا چلا گیا، انہوں نے شہر میں خوبصورت رہائشی اور سماجی تعمیرات کا جال پھیلا دیا۔۔۔ انگریزوں نے

بھی اس شہر میں بہت سے ترقیاتی کام کروائے، ان کے دور میں اسکول، ہسپتال، عدالتیں، انتظامی دفاتر، نظام آب رسانی اور میونسپلٹی کے قیام کے ساتھ ساتھ نہری اور ریلوے نظام بھی تکمیل تک پہنچا۔۔۔ تفریحی پارک اور کمیونٹی ہال بنائے گئے جہاں ادبی و ثقافتی تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔ شہر کی (پہلی) مردم شماری (۱۸۷۲ء) میں کرائی گئی''۔ ١٠

مسلمانوں میں بھی آہستہ آہستہ بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنی نسلوں کو تعلیم سے آراستہ کرنا شروع کیا اور اس کے لیے انہوں نے مدرسے، اسکول اور تعلیمی ادارے قائم کیے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان اس قابل ہو گئے تھے کہ وہ ہر میدان میں انگریزوں اور ہندوؤں کا مقابلہ کر سکیں، پھر سندھ کا ایک بڑا شہر ہونے کی وجہ سے برصغیر میں چلنے والی تحریکِ آزادی کے اثرات بھی یہاں رونما ہو رہے تھے اور ہر خاص و عام اس تحریک میں بھرپور حصہ لے رہا تھا اور جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح پاکستان میں آزادی کا سورج طلوع ہوا تو اس کی کرنوں سے حیدرآباد بھی منور ہوا۔

۲۔ زبان و ادب:

حیدرآباد چوں کہ مختلف زبان و ادب کی آماجگاہ رہا ہے اس لیے یہاں سندھی، عربی، فارسی اور اردو زبانوں کے ادب، تاریخ، مذہب اور دیگر علوم سے متعلق اچھا خاصا ذخیرہ موجود رہا ہے:

''سندھی زبان عربی الفاظ اور رسم الخط کی حامل ہے جب کہ سندھ کی سرکاری زبان اہلِ عرب کے عہد میں عربی اور دورِ مغلیہ کے بعد سے برطانوی عہد کے آغاز تک فارسی رہی ہے۔ سندھ کے شعراء، ادباء اور مؤرخین نے عربی اور فارسی میں شاندار تحریریں چھوڑی ہیں۔ سندھی ادب میں شعراء کرام کے علاوہ صرف مؤرخین نظر آتے ہیں، دوسرے الفاظ میں سندھی زبان میں شاعری کے علاوہ ادبی ذخیرہ تاریخی کتب ہیں''۔ ١١

سندھی، فارسی اور عربی زبانوں کے علاوہ حیدرآباد میں اُردو نظم و نثر میں بھی بہت سا کام ہوا جس کا آغاز کلہوڑا دورِ حکومت میں ہوتا ہے، سندھی زبان کے علاوہ حیدرآباد میں بولی جانے والی دیگر زبانوں میں اُردو، گجراتی، مارواڑی، ملتانی، سرائیکی، پنجابی اور بلوچی شامل رہی ہیں۔

۳۔ حیدرآباد میں اُردو شاعری:

حیدرآباد (نیرون کوٹ) میں اردو شاعری کا آغاز کلہوڑا حکمرانوں کی آمد سے قبل ہو گیا تھا، اس

حوالے سے عشرت علی خان لکھتے ہیں:

''میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے اپنی کتاب 'مقالات الشعراء' کو حیدرآباد میں غلام شاہ کلہوڑو کی آمد سے کوئی آٹھ سال قبل لکھ کر پورا کیا جس میں حیدرآباد کے کئی شعرا کا ذکر ہے۔ ان میں بہت سوں کے نام یہ ہیں۔ احسن نیرون کوٹی، ملا بہاء الدین، شہاب ثاقب، عبدالجمیل، ملا رحیم اللہ، ملا محمد سیار نیرون کوٹی وغیرہ''۱۲؎

مگر کلہوڑا دور سے قبل کے حالات چوں کہ زیادہ واضح نہیں، اس لیے حیدرآباد کے شعراءاور ان کی اردو شاعری کا جائزہ اس وقت سے لیا جارہا ہے جب غلام شاہ کلہوڑو نے حیدرآباد کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ اس جائزے میں حیدرآباد کے شعراء کے علاوہ وہ شعراء بھی شامل ہیں جن کا تعلق تو کسی اور شہر سے تھا مگر اپنی زندگی کا بیشتر حصہ انہوں نے حیدرآباد میں گزارا۔

۱۔ **میاں محمد سرفراز عباسی** (وفات ۱۱۹۱ھ) سندھ کے تاجدار اور بانی میاں غلام شاہ عباسی کے فرزند تھے، والد کی وفات (۱۳ جمادی الاول ۱۱۸٦ھ اگست ۱۷۷۲ء) کے بعد سندھ حکومت کے وارث بنے، وہ فارسی کے ایک بلند پایہ اور پر گو شاعر تھے، ان کا فارسی دیوان موجود ہے البتہ ان کا اُردو کلام جو غالباً اچھی خاصی تعداد میں تھا ضایع ہو چکا ہے:

''فرد محمد سرفراز''

قفس کے بیچ میں بلبل کہاں فریاد کیا کیجیے
لکھا قسمت کا ہونا تھا چمن کوں یاد کیا کیجیے

ڈاکٹر جمیل جالبی سرفراز عباسی کی غزلوں کی زمینوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ وہ زمینیں ہیں جو اس وقت دکن اور دہلی سے لے کر سندھ تک مقبول تھیں اور جن میں اس دور کے زیادہ تر شعراء نے طبع آزمائی کی۔ سراج، داؤد اور مظہر جانجاناں وغیرہ کی غزلیں انہی زمینوں میں ملتی ہیں''۱۳؎

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ اور حیدرآباد کا شعری ماحول اس وقت کے اُردو ادب کے بڑے مراکز دہلی اور دکن کے شانہ بہ شانہ چل رہا تھا۔

۲۔ **سیّد ثابت علی شاہ ثابت** (۱۱۵۳ھ۔۱۲۲۵ھ) ابن مدار علی شاہ ملتان پیدا ہوئے۔ بعد ازاں وہ سیوھن آکر اپنے پیر و مرشد سیلانی فقیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بالآخر ہمیشہ کے لیے وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ تالپور حکمرانوں نے ثابت علی شاہ کی قدردانی کی اور از راہِ نوازش سہون سے حیدرآباد بلا لیا

جہاں پر وہ خوش حال زندگی گزارنے لگے، سندھ میں مرثیہ گوئی کی بنیاد ڈالنے کا سہرا انہیں کے سر ہے، وہ فارسی زبان کے صاحبِ دیوان شاعر تھے اور اُردو سے انہیں خاص ذوق تھا، ان کی ایک منقبت (مسدس) کے اشعار ملاحظہ ہوں:

اے حق کے ولی ابن علی میری مدد کر
ہر وقت خفی اور جلی میری مدد کر
تجھ بابا کے حق ناد علی میری مدد کر
سائل ہوں کھڑا تیری گلی میری مدد کر
ابنِ علی اللہ کے ولی میری مدد کر
یا حضرت عباس علی میری مدد کر

۳۔ **محمد عظیم الدین عظیمؔ** (۱۱۶۲ھ ۱۷۴۹ء۔ ۱۲۲۹ ۱۸۱۴ء) ابن سیّد یار محمد ابن سیّد عزت اللہ، فارسی کے مشہور شاعر اور سندھ کے مورخ میر علی شیر قانع ٹھٹوی اور ضیاء الدین ضیاء کے بھتیجے تھے، وہ ٹھٹہ میں پیدا ہوئے اور فارسی کے باکمال شاعر تھے اور عظیم تخلص کرتے تھے، اس کے علاوہ اُردو میں غزلیات اور مرثیے بھی لکھے۔ عظیمؔ کی زبان اور بندشوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد میں اُردو کے اعلیٰ شاعروں میں سے تھے، ان کے یہاں تقلید کم اور حقیقت زیادہ ہے۔ نمونہ کلام:

سجن جلوے جمالی مجھ دکھاؤ گے تو کیا ہوئے گا
اگر سورج سوں ذرے کوں ملاؤ گے تو کیا ہوئے گا

(اُردو مرثیے کا ایک بند ملاحظہ ہو):

چلا یادگار پیمبر حسین
چلا ابن زہرا و حیدر حسین
چلا سب شجاعوں کا افسر حسین
چلا بادشاہِ مظفر حسین

کلہوڑوں کی شکست کے بعد سندھ کے نئے حکمران تالپور ہوئے، میر فتح علی خاں اس سلطنت کے پہلے حکمران تھے انہوں نے خدا آباد کے بعد حیدر آباد کو اپنی مملکت کا پایۂ تخت بنایا، میر فتح علی علم پرور اور ادب دوست شخصیت کے مالک تھے، ان کے دربار سے علم و ادب کی بہت سی شخصیات حیدر آباد کے علاوہ بیرونِ شہر کی بھی وابستہ تھیں، ڈاکٹر قمر جہاں عظیمؔ کے حوالے سے لکھتی ہیں:

''سندھ میں جو بھی مایہ ناز شاعر تھااس کو میر صاحب (میر فتح علی خان) نے بلایااور اپنے دربار کی رونق بڑھائی، انہی میں میر عظیم ٹھٹوی (تھے)''(ترجمہ راقم)۱۴؎

۴۔ **نواب ولی محمد خاں ولی لغاری** (المتوفی ۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ئ) تالپر امیروں کی حکومت کے امیر الامراءاور بہادر سپہ سالار تھے۔ فارسی کے چوٹی کے شاعر تھے، اُردو میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے ایک شعر ملاحظہ ہو:

آبِ حیات چشمِ ظلمات کے ہے اندر
مجھ کو ہے آبِ حیواں چاہ ذقن ذقن کا

۵۔ **میر غلام علی مائل** (۱۱۸۱ھ۔۱۲۵۱ھ) سندھ کے مشہور مورخ شاعر اور مصنف میر علی شیر قانع کے ہونہار فرزند اور وہ تالپوری عہد کے شاعر تھے۔ میر کرم علی خاں کرم نے انہیں خاص طور پر نوازا۔ مائل فارسی زبان کے پر گو شاعر تھے اور تاریخ گوئی میں بھی انہیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ اس کے علاوہ وہ اُردو کے بھی بلند پایہ شاعر تھے۔

نمونہَ کلام مرثیہ

پھر ہوا ہے مہ عزاے حسین
پھر ہوا ہے مہ حفائے حسین
دیکھ اس غم میں کربلاے حسین
دھر دشت بلا ہے واے حسین
ہے جہاں پر خروش اس غم سوں
آسمان سبز پوش اس غم سوں

۶۔ **میر کرم علی خاں کرم** (۱۱۸۷ھ۔۱۲۴۴ھ) میر صوبیدار خاں شہید کے چار فرزندوں میں سے کرم علی خاں تیسرے نمبر پر تھے، اپنے بڑے بھائی میر غلام علی خاں کی وفات (۱۲۲۷ھ ۱۸۱۲ئ) پر سندھ کے حکمران اور امیروں کے سربراہ بنے، سخن سنج و سخن پرور تھے، ان کا دربار اہلِ علم و فن اور شعراء کا مرجع اور مرکز بن گیا تھا۔ میر عظیم الدین عظیم، منشی صاحبراء آزاد، آقا محمد عاشق اصفہانی، مرزا مظہر، نواب ولی محمد خان لغاری ولی، میر ہوتک افغان، سیّد طباطبائی، میر سیّد علی مشتاق، مخدوم نور محمد بوبکائی، آخوند نور محمد ہالائی، مرزا خسرو بیگ، میر کاظم شاہ سرخوش، سلیمان حاجی، عبدالمجید جو کھیہ مجیدی وغیرہ شعراء ان کے کرم و قدردانی سے بہرہ ور ہوئے، کرم علی خاں کرم سندھ کے تالپر حکمرانوں میں پہلے

سر برآوردہ شاعر تھے۔ان کے فارسی دیوان ''دیوانِ کرم'' کا قلمی نسخہ موجود ہے،اُردو میں بھی اشعار کہتے تھے،ایک غزل نمونہ کے طور پر دی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زبان کس قدر صاف و شستہ تھی:

صبحدم یاد مجھے چاک گریباں آیا
پھر تصور میں مری وہ رُخِ تاباں آیا
سیر گلشن میں نظر میری پڑی غنچوں پر
دل میں پھر مرے خیالِ لبِ خنداں آیا
سیر بستاں میں مرے سامنے سیل آیا
دل یہ بولا کہ وہی گیسوی پیچاں آیا
سرو کو باغ میں دیکھا جو کہیں ہم نے کرم
یاد مجھ کو وہیں وہ سروخراماں آیا

مذکورہ غزل کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کرمؔ کے زمانے میں ''کوں''، ''سوں''، کی جگہ ''کو'' اور ''سے'' سے لکھا جانے لگا تھا۔

۷۔ **میر مراد علی خاں علی** (۱۱۸۸ھ ۱۲۴۹ھ) اپنے بڑے بھائی میر کرم علی خاں 'کرم' کی وفات کے بعد ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۸ء میں سندھ کے امیر کبیر ہوئے۔کرم علی خان کرم کے بعد مراد علی خاں علی کا دربار فن وادب کا گہوارہ بنا رہا، صاحبِ ذوق سلیم تھے اور فارسی 'دیوان علی' بطورِ یادگار چھوڑا انہوں نے فارسی کے علاوہ اُردو میں بھی غزلیں کہیں۔نمونہ کلام:

مجھ پر جو ہے احساں گرانبار صنم کا
میں کیا کہوں ہوں میں تو خریدار صنم کا
ہے عرض علیؔ کا تری سرکار میں مولیٰ
دکھلاؤ مجھے جلد ہی دیدار صنم کا

میر مراد علی خان علی کی کتابوں سے متعلق ڈاکٹر قمر جہاں معلومات دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

''اپنے وقت میں انہوں (مراد علی) نے بہت سی کتابیں نقل کروائیں اور لکھوائیں، جن میں 'محک خسروی' ۱۲۳۷ھ اور 'تذکرہ زبدۃ المعاصرین' (مصنف: حسین الحسینی شیرازی، ۱۲۴۰ھ) مشہور ہیں۔ان دونوں کتابوں میں فارسی، ہند اور سندھ کے شاعروں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے''(ترجمہ

راقم)۱۵؎

۸۔ **فتح دین شاہ جہانیاں پوٹہ** (۱۲۰۵؟۔۱۲۹۱ھ)'اچ' کے مشہور ولی مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے تھے، انہوں نے حیدرآباد میں سکونت اختیار کی اور موجودہ ''ٹنڈہ جہانیاں'' کو آباد کیا، ان کا ۳۴۴غزلوں پر مشتمل ایک مختصر فارسی دیوان موجود ہے، اس کے علاوہ اُردو میں ان کی ایک کافی ملتی ہے۔ نمونہ کلام:

ھوئا مخمور معنٰی میں، کہ ہادی حق بتایا ہے
ملامت کوں سلامت کر، آپس آپے چھپایا ہے
جلالی جوش کے جذبے جسم کوں خود جلایا ہے
فتح ہے دین کی ہردم کفر کوں مرمٹایا ہے

۹۔ **میرزا فتح علی بیگ فتح** (۱۲۱۵ھ۔۱۳۰۰ھ) ولد میرزا مراد علی بیگ، محلہ ٹنڈو آغا شہر حیدرآباد کے رہنے والے تھے، ان کا کلام چار اصنافِ سخن پر مشتمل ہے، سندھی رباعیات، سندھی کلام، مرثیہ اور سندھی قصائد، اُردو میں سلام اور نوحے کہتے تھے اور امیرانِ سندھ کی مجالسِ عزا کے خاص مرثیہ خواں تھے۔ نمونہ کلام:

حسن انداز بہار روح پرور دیکھئے
گلشنِ احمد سیں اک تازہ گلِ تر دیکھئے
غنچے کھلتے ہی کھلے اسرارِ باغ دوجہاں
پتے پتے میں ضیائے روئے حیدر دیکھئے

۱۰۔ **میر صوبدار خاں میر** (۱۲۱۷ھ۔۱۲۶۲ھ) اپنے چچا اور بعد میں اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ سندھ کی حکومت میں شامل رہے، دھوکہ کھا کر انگریزوں کے ساتھ سازش میں شریک ہو گئے، لیکن جب انگریزوں نے قلعہ حیدرآباد پر قبضہ کیا تو ان کو بھی گرفتار کر لیا۔ ۱۴رجب ۱۲۶۲ھ میں کلکتہ میں قیدِ فرنگ کی حالت میں انتقال کیا۔ میر کو علم وادب سے بے حد دلچسپی تھی، فارسی کے پرگو شاعر تھے، اس کے علاوہ انہوں نے سندھی اور اُردو میں بھی طبع آزمائی کی۔ نمونہ کلام:

اے دل ہیں سنی تونے تو اخبار محبت
کیوں تجھ کو پسند آگیا آزارِ محبت
کیوں آیا نہ اب تک وہ کوئی اس سے یہ پوچھے

ہے اب تو کوئی دم کا یہ بیمارِ محبت

۱۱۔ **میر محمد نصیر خان جعفری**(۱۲۱۹۔۱۲۶۱ھ) سندھ کی آزاد حکومت کے آخری فرماں رواتھے ،۱۸۴۳ء میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا تو ۷ا فروری ۱۸۴۳ء کو میر صاحب گرفتار ہو گئے، پہلے بمبئی بھیجے گئے اور وہاں سے ساسور، جہاں ایک سال قید رہے اس کے بعد انہیں کلکتہ منتقل کر دیا گیا، انہوں نے قیدِ فرنگ میں ۷ ربیع الثانی ۱۲۶۱ھ کو وفات پائی،ان کی نعش کو حیدرآباد (سندھ) لا کر دفن کیا گیا،وہ علم وادب کے مربی اور شعر و سخن کے بڑے قدردان تھے،ان کے دور میں بہت سے باکمال ادیب و شاعر حیدرآباد میں آکر آباد ہو گئے تھے ،تکلمۃ کے مصنف ابراہیم خلیل نے ان کے ''دیوان مختصر درہندی'' کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ان کا ''دیوان جعفری'' اُردو میں ہے جو انہوں نے ساسور اور کلکتہ میں قید کے زمانے میں ۱۲۶۱ھ میں مرتب کیا۔ نمونہ کلام:

مرا سینہ تو ہے گنجِ سعادت عشق جاناں کا
یہ سر ہے بہرِ سجدہ شکر کرتا ہوں میں سبحاں کا
پڑا ہوں بسترِ غم پر نہیں گر پوچھنے والا
ترا دیدار چارہ ہے دلِ بیمارِ ہجراں کا

نصیر خاں کے دربار سے بہت سے علماء، فضلاء، شاعر وادیب وابستہ تھے:

''قاضی آخوند احمد، آخوند غلام حیدر، نور محمد الجوہری، ملا محمد روشن، سعید، شائق، وفا، مرزا محمد باقر، مرزا طاہر، دیوان بیٹارام مسرور، مرزا فریدون بیگ قانع، مرزا عباس عدالرفا اعظم، بہادر خان اخلاق، قاضی گل محمد ملتانی، آخوند محمد بچل انور متعلوی، میاں محمد یوسف، آغاز بن العابدین''(ترجمہ راقم)۱۶؎

۱۲۔ **میر شہداد خان حیدری**(۱۲۸۴ھ ۱۸۵۷ء) بن میر نور محمد خان حیدرآباد میں پیدا ہوئے ،اپنے والد کی وفات کے بعد حکومت میں شریک ہوئے ،صاحب ذوقِ سلیم تھے ،انہوں نے فارسی، سندھی اور اُردو میں شعر کہے اور ''حیدری'' تخلص کرتے تھے۔ان کا ''دیوانِ حیدری'' تقریباً چار سو اٹھتر غزلیات اور دوسری نظموں پر مشتمل ہے۔ان کو بھی انگریزوں نے ''سورت کے قید خانے میں محبوس کر دیا تھا۔'' نمونہ کلام:

گوندھ تو زلف پریشان کو پریشاں مت ہو
دیکھ کر مجھ کو پراگندہ تو حیراں مت ہو

'حیدری' ہوگا تو آزاد نہ گھبرا ہرگز
نااُمید از کرمِ شاہ شہیداں مت ہو

۱۳۔ **میر حسین علی خان تالپور حسین** (۱۲۴۵ھ ۱۸۲۹ء۔ ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء) بن نور محمد خان حیدرآباد میں پیدا ہوئے، انگریزوں کے تسلط ہو جانے پر گرفتار کر لیے گئے اور کلکتہ میں نظر بند رہے۔ ان کو نہ صرف فارسی ادب سے لگاؤ تھا بلکہ سندھی اور اُردو شعر و ادب سے بھی گہری دلچسپی تھی، فارسی نثر میں تین کتابیں ''مناقب علوی''، ''شاہد الامامت'' اور ''لب لباب'' لکھیں۔ نظم میں دو دیوان بطور یادگار چھوڑے ایک دیوان فارسی و اُردو (مشترکہ) اور ایک دیوان اُردو بالتصویر ''دیوانِ حسین''، یہ کلکتہ میں نظر بندی کے زمانے میں مرتب کیا گیا اور وہیں پر مصوری سے آراستہ ہوا۔ نمونہ کلام:

مخفی ہوا تھا ذرہ محمدؐ کے نور کا
آیا ہے اب تو دور انہیں کے ظہور کا

خدا کرے کہ کسی کا جدا حبیب نہ ہو
یہ بددعا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

۱۴۔ **قطب شاہ جہانیاں پوٹہ** (۱۲۲۹۔۱۳۲۸ھ) حیدرآباد میں پیدا ہوئے، سندھ کے کافی گو شاعروں میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ ان کی تین کافیاں اور ایک شبد ہندی آمیز اُردو میں منظوم ہے۔ نمونہ کلام:

ہندو زور اور زوری
کیوں لوٹی ہے دل موری

۱۵۔ **حاجی محمد فضل ماتم** (۱۲۳۰؟۔ ۱۳۱۲؟) عباسی خاندان میں سے تھے، سندھ میں حیدرآباد اور اس کے گرد و نواح میں زندگی بسر کی مگر خاص مسکن حیدرآباد ہی رہا۔ ماتم اپنے دور کے سربرآوردہ شعراء میں سے تھے، سندھی اور اُردو دونوں کے قادرالکلام شاعر تھے، میر عبدالحسین سانگی، غلام محمد شاہ گدا، کمال الدین مست، غلام مرتضیٰ شاہ مرتضائی جیسے معاصروں نے ان کو داد دی اور ان کے تتبع میں غزلیں کہیں وہ اُردو کے ''صاحبِ دیوان'' شاعر بھی تھے۔ نمونہ کلام:

ماتم نہ نااُمید خدا کے کرم سے ہو
محروم کب کریم کے در سے گدا گیا

یار سنتا نہیں ہماری بات
جانتا ہے دروغ ساری بات

۱۶۔ **نواب اللہ داد خان لغاری صوفی** (۱۲۳۸ھ ۱۸۲۳ء۔ ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۴ء) بن وزیر اعظم نواب ولی محمد خان لغاری کم سنی میں ہی میر محمد نصیر خان تالپور کے ملازم ہوئے، سنہ ۱۸۴۳ء میں جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کیا تو نواب اللہ داد خان بھی اس انقلاب سے متاثر ہوئے، وہ ایک باوقار وصوفی منش بزرگ تھے اور اپنے وقت کے بڑے ادیب وشاعر بھی۔ ''صوفی'' تخلص کرتے تھے، فارسی میں صاحبِ دیوان ہونے کے علاوہ قصہ تسکین وشیدا (مثنوی)، مثنوی اصغر، مثنوی مسکین فارسی میں لکھیں، سندھی، سرائیکی اور اُردو میں بھی ان کا کلام موجود ہے۔ نمونہ کلام:

متاعِ عشقِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے
دل و جاں کی بہا سے یہ ثمر لیتے تو ہم لیتے
مزا پایا ہے میں نے ان لبوں کی تلخ گوئی سیں
اگر شیریں زبانی کی شکر لیتے تو ہم لیتے

۱۷۔ **نواب تاج محمد خان لغاری** (۱۲۴۰؟۔ ۱۳۰۰ھ) بن نواب غلام اللہ خاں (اوّل) وزیر اعظم نواب ولی محمد خان لغاری کے بھتیجے تھے، فارسی اور اُردو میں شاعری کی۔ نمونہ کلام (کافی):

مجھ ہے فراق دیدن یاراں سے تمام
مانگوں دعا ملن کی ہر روز صبح و شام
یارب دکھائے مجھ کوں آں دوست دلربا
شکرے بجا نمایم اے احکم الحکام

۱۸۔ **میر محمد حسن علی خان حسن** بن میر محمد نصیر خان ٹالپر والیٔ سندھ ۲۶ ذیقعد سنہ ۱۲۴۰ھ کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے، ان کو بھی ۱۲۵۹ھ میں گرفتار کر کے قیدِ فرنگ میں کلکتہ رکھا گیا، وہ ۱۵ ذی الحج ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۷ء کو حیدر آباد میں فوت ہوئے، کلکتہ میں رہے تو اُردو کا ذوق پیدا ہوا، اُردو نثر اور نظم میں دسترس پیدا کی۔ پادری عماد الدین پانی پتی کے رسالے ''تحقیق الایمان'' کے جواب میں اُردو نثر ''احسان البیان'' لکھی، انہوں نے سندھی، فارسی اور اُردو میں شاعری بھی کی۔ نمونہ کلام:

یا شاہ تمہیں ساقی کوثر نہ کہوں کیوں

لاریب تمہیں حجتِ داور نہ کہوں کیوں
اور احمد مرسل کا برادر نہ کہوں کیوں
خالق کا تمہیں شیر غضنفر نہ کہوں کیوں
مولی میں تمہیں نفس پیمبر نہ کہوں کیوں

۱۹۔ **امام علی خدمت گار** (۱۲۵۰؟۔۱۳۱۵؟) امیران ٹالپور کے خدمت گار گھرانے میں سے تھا، خود میر عبدالحسین سانگی کی خدمت میں رہتا تھا، ادیب اور شاعر بھی تھا۔ نمونہ کلام:

امیرِ زماں خسرو داد گر
ہیں جن کے دعاگوی برنا و پیر
وہی میر عبدالحسین، خان ہے
حسین و حسن جس کے ہیں دستگیر

۲۰۔ **نواب فقیر ولی محمد خان لغاری** (۱۲۵۲ھ۔۱۳۳۲ھ) حیدرآباد شہر کے محلہ ٹنڈو ولی محمد میں پیدا ہوئے، جب انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کیا تو ان کے والد نواب احمد خان لغاری انہیں اور ان کے دوسرے بھائی بخش علی خان کو لے کر میر شیر محمد خاں ٹالپور کے ساتھ پنجاب چلے گئے۔ وہ وہاں سے ۱۸۴۷ء کے لگ بھگ واپس آئے اور موجودہ تعلقہ سکرنڈ میں اپنی جاگیر مرزاں پور میں رہائش اختیار کی، سنہ ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۳ء میں انہوں نے مرزاں پور جاگیر سے ہجرت کر کے تاجپور میں مستقل رہائش اختیار کی۔ ان کا سندھی، سرائیکی، فارسی اور اُردو میں کلام موجود ہے جس پر صوفیانہ رنگ غالب ہے۔
نمونہ کلام (کافی):

پیالہ مجھ دیا صوفی شراب بے حجابی کا
ھویا دیدار دل اندر صنم کے ماھتابی کا
حسن کا جب دیکھا دفتر، عقل گم ہوگیا ابتر
تھیا ظلمات سے ظاہر، شعاعِ آفتابی کا

۲۱۔ **سیّد غلام محمد شاہ گدا** (۱۲۵۳ھ۔۱۳۲۲ھ) بن حسن علی شاہ کا خاندان اصل مشہدی سادات تھا، وہاں سے قندھار آبسے، سندھ کے عباسی کلہوڑا حکمرانوں کے دور میں سندھ کے پایۂ تخت خداآباد میں آئے۔ وہاں سے بالآخر ٹالپور امیروں کے عہد میں حیدرآباد میں آکر متوطن ہوئے، غلام محمد شاہ کی ولادت شہر حیدرآباد میں سنہ ۱۲۵۳ھ ۱۸۴۷ء میں ہوئی۔ آخوند احمد بن عبدالعلیم ساونی سے تعلیم حاصل کی اور

محمد روشن حیدر آبادی سے شعر میں شرف تلمذ حاصل کیا، سندھی، فارسی اور اُردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کی ۱۱ جنوری ۱۹۰۵ء-۱۳۲۲ھ کو حیدر آباد میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ نمونہ کلام:

بارک اللہ مہر مولیٰ کی یہ کیا ایجاد ہے
دل مرا قمری ہے قدِ یار گر شمشاد ہے
میں گدا روزِ ازل سے ہوں محمدؐ کا غلام
دل بہ‌یں‌حبِ شاہِ مرداں قلعۂ فولاد ہے

سیّد غلام محمد شاہ کے تلامذہ اور معاصرین کے حوالے سے ڈاکٹر وفا راشدی لکھتے ہیں:

''میر عبدالحسین سانگی، میاں وڈل علوی حیدری، پیر میاں علی محمد شاہ عرف علن سائیں، پیر میاں صاحب ڈنو شاہ، شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ، آخوند لطیف اللہ حیدر آبادی، سیّد عبدالحسین ہندوستانی، آخوند محمد قاسم ہالائی، سیّد غلام مرتضیٰ شاہ مرتضائی، فضل محمد ماتم، سیّد غلام مجتبیٰ شاہ مجتبائی اور محمد ہاشم مخلص وغیرہ کا شمار شاہ گدا کے تلامذہ، معاصرین احباب اور عقیدت مندوں میں ہوتا ہے''۔۱۷

۲۲۔ **میرزا قاسم علی بیگ قاسم** ولد میرزا فتح علی بیگ، محلہ ٹنڈو آغا، شہر حیدر آباد میں ۱۳۵۳ھ ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء میں حیدر آباد میں وفات پائی، میر محمد حسن علی خان کے درباری شاعر تھے۔ سندھی اور اُردو میں اُن کا کلام سلام، مراثی، مناقب، قصائد، غزلیات اور رباعیات پر مشتمل موجود ہے۔ نمونہ کلام:

مقتل میں کامیاب ہر اک اس کا وار ہے
جس زخم دل کو دیکھتا ہوں شاہکار ہے
نظریں ملا کے مجھ کو نہ یوں دیکھ بار بار
کب دل پہ مجھ کو اتنا بھلا اختیار ہے

۲۳۔ **میاں جی محمد صالح خاکی** (۱۳ صدی نصف آخر تا اوائل ۱۴ صدی) شہر مانجھو کے میرزا صاحبان کے خدمتگار تھے، سندھی، فارسی اور اُردو میں شاعری کی۔ نمونہ کلام:

آج گھر کو گیا میں دلبر کے
تھا کھڑا اپنے در اوپر گھر کے
میں نے پکڑا بغل میں، تب وہ کہا
چھوڑ صالح، بنام پرور کے

۲۴۔ **نواب حسین علی خان حسینؔ**، نواب اللہ داد خان صوفی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ ۵ ربیع الاوّل ۱۲۶۴ھ میں تولد ہوئے اور ۲۷ صفر ۱۳۱۷ھ میں وفات پائی، سندھی کے کافی گو شاعر تھے اُردو میں بھی غزلیں کہیں۔ نمونہ کلام:

مجھے اب ماہِ خوبی نے حسن کی جلوہ دکھلائی
اتر گئے سب الم دل توں رہی سینے مصفائی
حسینؔ اس عشق کا نعرہ جسی کی دل میں ظاہر ہے
نہیں اس خوف اور خطرہ نہ آخر کی ہے رسوائی

۲۵۔ **دیوان صورت سنگھ صورت بہار** ولد ہمت سنگھ چندیرامانی سنہ ۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء کے لگ بھگ حیدرآباد میں پیدا ہوئے، ۴۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۸۷۷ء (۱۲۹۳ھ) میں ان کا انتقال ہوا، صورت بہار نے فارسی، سندھی، سرائیکی اور اُردو میں اشعار کہے ہیں، ان کے کلام کا مجموعہ پہلی بار سنہ ۱۸۸۶ء میں لاہور سے شایع ہوا اور دوسری مرتبہ ''دیوان صورت بہار'' کے عنوان سے سندھی رسم الخط میں سنہ ۱۹۳۵ء میں حیدرآباد سے چھپا۔ نمونہ کلام:

صورت جیسا بدکار گنہگار نہ دیکھا
خاوند جیسا غفار ستار نہ دیکھا
موسیٰ جیسا دیکھا نہ کسی جلوۂ سینا
منصور اناالحق جیسا سردار نہ دیکھا

معروف محقق ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے ''دیوان صورت بہار'' (مطبوعہ ۱۸۸۶ء) کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اس کے تحقیقی اور لسانی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے ان کے مطابق:

''صورت سنگھ ولد ہمت سنگھ چندیرامانی سنہ ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء کے لگ بھگ حیدرآباد سندھ میں پیدا ہوئے۔۔۔۱۸۷۶ء میں وفات پائی۔۔۔ صورت بہار ایک صاحبِ دیوان شاعر تھے ان کی دیوان پہلی بار ۱۸۸۶ء میں یعنی ان کی وفات کے دس برس بعد ودیاونود پریس کراچی سے 'دیوان صورت بہار' کے نام سے دیوان لیکھ راج چندیرامانی مختار کار حیدرآباد سندھ کے زیرِ اہتمام چھپا تھا اور وہی اس کے مرتب ہیں''[۱۸]

اس دیوان کے ایک منفرد پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

''دیوان صورت بہار کے اس پہلے ایڈیشن کے آخر میں صورت بہار کی راگ مالا بھی شامل

ہے۔ راگ مالا کا سبب تصنیف یہ ہے کہ صورت بہار نے راگوں کے اعتبار سے اپنے کلام کو ترتیب دیا تھا۔۔۔ دیوان صورت بہار کی یہ ترتیب اُردو دواوین میں نیا تجربہ تھا، اسے شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بالواسطہ اثرات میں شمار کیا جاسکتا ہے کیوں کہ 'شاہ جو رسالو' کے مرتبین نے شاہ کے کلام کو بھی سروں کے عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے"۱۹

۲۶۔ **میرزا عباس علی بیگ علی** (المتوفی ۱۳۲۹ھ) قصبہ "مانجھو" (ضلع دادو) کے میرزاؤں کے خاندان سے تھے انہوں نے فارسی، سندھی اور اُردو میں شاعری کی، ایک بیاض جس میں "مرزایاں مانجھو" کے شعراء کا کلام قلم بند تھا، اس میں ان کا اُردو کلام بھی موجود ہے۔ نمونہ کلام:

خیالِ یار کو آنے کا شوق آج ہوا
جو آج دل کو مرے سخت اختلاج ہوا
ارے طبیب تو میرے سرانے سے اوٹھ جا
مریضِ عشق کا اب درد لاعلاج ہوا

۲۷۔ **میر عبدالحسین "سانگی"** بن میر عباس علی خان بن میر محمد نصیر خان ٹالپور کلکتہ میں قید فرنگ کے زمانے میں سنہ ۱۲۶۸ھ۔ ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ایک انگریز خاتون تھیں۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں بارہ سال کی عمر میں کلکتہ سے رہا ہو کر اپنے چچا میر محمد حسین علی خان کے ساتھ واپس سندھ آئے اور حیدرآباد میں ٹنڈو میر نور محمد لطیف آباد یونٹ نمبر ۴، پبلک اسکول کے پیچھے قیام پذیر ہوئے۔ کلکتہ میں انہوں نے فارسی کی تعلیم میرزا حسن علی عرف میرزا بزرگ المتخلص باوفا سے حاصل کی، سندھ واپس پہنچنے کے بعد فارسی میں آخوند احمد بن عبدالعلیم ساونی ہالائی سے اُردو میں مولوی ابوالحسن بن مولوی مہدی حسن لکھنوی سے اور سندھ میں غلام محمد شاہ گدا سے اپنے کلام میں اصلاح لی، اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر فرسٹ کلاس اسپیشل مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز رہے، سندھی میں "سانگی" اور اُردو ،فارسی میں "عبدالحسین"، تخلص کرتے تھے۔

سانگی ایک عالم فاضل، شاعر وادیب تھے، ان کا دور سندھی شاعری کا زریں دور کہلاتا ہے، اس دور میں سانگی کے یہاں سندھی مشاعروں کی ابتدا ہوئی۔ غلام محمد شاہ گدا، سیّد غلام مرتضیٰ مرتضائی، میوں وڈل حیدری، فضل محمد ماتم، میرزا قلیچ بیگ قلیچ، میرزا دوست محمد دوست، سیّد محمد فاضل شاہ فاضل، آخوند لطف اللہ، آقا میرزا محمد حسن شیرازی ناخدا، مرزا محمد تقی نائب قندھاری اور مولانا ابوالحسن لکھنوی ان کے مصاحبین میں سے تھے۔ اسی دور میں ان بزرگوں کے ذوق نے اُردو شاعری کو بھی فروغ دیا۔

سانگی سندھی، اُردو، سرائیکی اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ نمونہ کلام:

مشہور اپنا نام تو مستانہ ہوگیا
اپنے جنوں کا خلق میں افسانہ ہوگیا
نظروں میں سب طرف مری ویرانہ ہوگیا
تب رہ گئے وہاں جہاں میخانہ ہوگیا

سانگی کے تینوں دیوان ''کلیاتِ سانگی'' کے نام سے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے مرتب کی ہے جسے سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۶۹ء میں شایع کیا۔

۲۸۔ **میرزا قلیچ بیگ قلیچ** بن میرزا فریدون بیگ سنہ ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۳ء میں حیدرآباد کی نواحی بستی ٹنڈو ٹھوڑو میں پیدا ہوئے ،ان کے علمی اور ادبی خدمات کے صلے میں حکومتِ برطانیہ نے انہیں شمس العلماء کا خطاب اور قیصر ہند کا تمغہ دیا۔ میرزا قلیچ بیگ تین سو سے زائد کتابوں کے مصنف، مترجم اور مؤلف ہیں انہوں نے ۳جولائی سنہ ۱۹۲۹ء کو ۷۷ سال کی عمر میں حیدرآباد میں وفات پائی۔ میرزا قلیچ بیگ کو اوائل عمر سے شاعری کا شوق تھا۔ ''قلیچ'' تخلص کرتے تھے اور فارسی، سندھی، سرائیکی کی تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی، ترکی میں بھی اشعار کہے۔ ان کی تالیف ''سودائے خام' 'میں ان کا بہت سا اُردو کلام موجود ہے۔ نمونہ کلام:

ترے عشق کو میں سدا چاہتا ہوں
محبت تری جا بجا چاہتا ہوں
نہ شاہی وزیری سے مطلب ہے میرا
ترے در پہ ہونا گدا چاہتا ہوں

۲۹۔ **محمد ہاشم مخلص** (۱۸۶۰ء۔۱۹۳۶ء) ٹھٹھ میں پیدا ہوئے ان کے والد حافظ حامد بھی اپنے وقت کے بڑے شاعر گزرے ہیں۔ مخلص کو بچپن ہی سے شاعری سے گہرا شغف تھا۔ انہیں نثر سے بھی لگاؤ تھا۔ ''آفتاب سندھ''اور''خیر خواہ'' جیسے اخبار میں ان کے مضامین جگہ پاتے تھے۔ انہوں نے مدیر کی حیثیت سے بھی اخبار میں کام کیا۔ وہ سندھ چھوڑ کر جودھپور، ناگور اور بیکانیر میں دربدر پھرتے رہے۔ وہاں انہوں نے اپنا نام بدل کر ناصر علی رکھ لیا اور اس نام کے ساتھ وہاں کی ادبی محفلوں میں شریک ہونے لگے اور ساتھ ہی اُردو شاعری کرتے رہے۔

۳۰۔ **میاں محمد یوسف علوی عرف میوں وڈل حیدری** (۱۲۷۸؟۔۱۳۳۸؟) قصبہ سعید پور (ضلع

حیدر آباد) میں پیدا ہوئے ''گدا'' اور ''سانگی'' کی صحبتوں میں ان کا اُردو میں شعر گوئی کا شوق بڑھا اور انہوں نے اُردو میں بہت کچھ کہا۔ نمونہ کلام:

خبر لے جلد اے دلبر کہ عاشق زار مرتا ہے
ہے جاں بر لب ترا بیمار بے دیدار مرتا ہے
جفا و جور لیلٰی حجر سے تیرے ارے ظالم
چکا اب پی جگر کا خوں وہ مجنوں وار مرتا ہے''

۳۱۔ **میرزادوست محمد دوست بن میرزا علی بخش** سنہ ۱۲۷۹ھ ۱۸۶۲ء میں محلہ ٹنڈو آغا شہر حیدر آباد میں پیدا ہوئے، انہوں نے وقت کے رواج کے مطابق اچھی تعلیم پائی، شاعرانہ ذوق پیدا ہوا تو اساتذہ کی رہنمائی حاصل کی۔ سندھی میں غلام محمد شاہ گدا سے اصلاح لی اور اُردو اور فارسی میں مولانا ابوالحسن لکھنوی سے استفادہ کیا، ۲۴ ستمبر ۱۹۲۰ء ۱۳۳۹ھ کو وفات پائی، ان کا سندھی، فارسی اور اُردو کلام موجود ہے۔ نمونہ کلام:

ہوں میں مشتاق اپنے دلبر کا
سروقد گلبدن سمن بر کا
پیچ در پیچ زلف دلبر کا
رشک افزا ہے مشک اذفر کا

۳۲۔ **میرزا مراد علی بیگ عرف بڈھل بیگ** ۱۲۷۹ھ۔ ۱۸۶۲ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۲ ذیعقد سنہ ۱۳۳۴ھ۔ ۱۹۰۵ء کو وفات پائی، ان کو بچپن ہی سے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی اور اپنے بڑے بھائی میرزا قاسم علی بیگ قاسم سے اصلاح لیتے تھے، بڈھل بیگ بنیادی طور پر مرثیہ گو شاعر تھے۔ ان کی تصانیف میں سے دیوانِ غزلیات (اُردو، فارسی اور سندھی)، کلیات مراثی، مختار نامہ، حملہ حیدری (دو جلد) سفر نامہ کربلا اور شگوفۂ ماتم (مطبوعہ) موجود ہیں۔ بقول ان کے ہندی یعنی اُردو میں ان کو نسبتاً اتنا درک نہیں تھا۔ نمونہ کلام:

بھاتا ہے سدا روح کو سبزہ چمنی کا
اور بلبل مدہوش کے شیریں سخنی کا
لالاں نے چمن میں جو دکھایا رُخِ یاقوت
تب یاد پڑا رنگ عقیق یمنی کا

۳۳۔ **مرزا قربان علی بیگ قربان** (۱۲۹۰ھ۔۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء) میرزا قاسم علی بیگ کے فرزند تھے، محلہ ٹنڈو آغا شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے، انہوں نے عربی، فارسی، سندھی اور اُردو میں شاعری کی۔ 'قربان' تخلص کرتے تھے۔ نمونہ کلام:

ترا آنا گر اے رشکِ مسیحا ہو نہیں سکتا
تو بیمارِ محبت جانو اچھا ہو نہیں سکتا
ترے کشتہ کو زندہ سب کریں یہ غیر ممکن ہے
اگر چاہے ہر اک ہونا مسیحا ہو نہیں سکتا

۳۴۔ **پیر جمال الدین علوی**، پیر محمد ہاشم کے فرزند تھے۔ شاہ ابراہیم دادنی گوٹھ تحصیل حیدرآباد میں ۲۷ رجب ۱۲۹۶ھ کو پیدا ہوئے وہ عربی، فارسی، ترکی، اُردو، بلوچی، پشتو اور گجراتی بول سکتے تھے۔ تحریکِ خلافت میں نمایاں طور پر حصہ لیا اور ایک انقلابی کی حیثیت میں انگریزوں کے خلاف ڈٹ کر کام کیا۔ انہوں نے فارسی، سندھی اور اُردو میں شاعری بھی کی۔ اُردو میں ان کے بہت سے اشعار ہیں جن میں سیاسی اور صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔ یک شنبہ ۱۲۔ شوال ۱۳۵۵ھ (۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء) کو فوت ہوئے۔ نمونہ کلام:

تمہاری ہتھکڑی بیڑی نہیں کافی ڈرانے کو
رکھا جب سر ہتھیلی پر تو کیا پرواہ زندان کی

اذاں دیں گے بلند اعلان سنے سارا تمام عالم
حکم حق نے دیا ہم کو کہا احمد نبی اکمل

۳۵۔ **میرزا مدد علی بیگ مدد** ولد نور محمد بیگ، ٹنڈو آغا شہر حیدرآباد میں ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۳۱ء میں ان کی زیرِادارت ایک علمی رسالہ ''صراطِ مستقیم'' بھی جاری ہوا۔ انہوں نے ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۱ء میں وفات پائی۔ ان کو قطعہ تاریخ لکھنے میں ملکہ حاصل تھا، ان کا فارسی، سندھی اور اُردو کلام موجود ہے اور اس کا بیشتر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ اُردو سلاموں کا مجموعہ سنہ ۱۹۱۲ء میں شایع ہوا۔ نمونہ کلام:

اے قوم تجھ پہ گرہیں فدا ہم تو ہے روا
آنکھوں پہ اپنی تجھ کو بٹھائیں تو ہے بجا

احسان تونے ہم پہ کیا آج اس قدر
ممکن نہیں کہ شکر ترا ہم سے ہو ادا

۳۶۔ **پیر محمد اسماعیل جان روشن**، پیر آقا محمد حسن خاں سرہندی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ۱۳۰۷ھ میں بہ مقام سکھر پیدا ہوئے، بیس سال کی عمر میں حیدرآباد منتقل ہوگئے، وہ سندھی، اُردو، عربی، فارسی اور پشتو کئی زبانوں میں شعر کہتے تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے اور صاحبِ دیوان تھے۔ البتہ اُردو کا کلام اب تک دستیاب نہ ہو سکا۔

۳۷۔ **ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم**، خلیل کی ولادت ۲۴ دسمبر ۱۹۰۰ء میں بمقام کراچی میں ہوئی، بزرگوں کا اصل وطن حیدرآباد دکن تھا، ۱۹۴۰ء میں اُردو میں شاعری شروع کی اور اُردو زبان کو صوبۂ سندھ میں بہت زیادہ فروغ دیا۔ سندھی مشاعروں کے ساتھ ساتھ اُردو مشاعرے بھی منعقد کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۹ نومبر ۱۹۸۲ء کو لطیف آباد، حیدرآباد میں ہوا۔ نمونہ کلام:

سرور و کیف ہوتا وجد ہوتا بیخودی ہوتی
شرابِ عشق جس نے آپ کی آنکھوں سے پی ہوتی

کعبہ گئے تو ذوقِ تجسس نے یہ کہا
منزل یہاں سے آگے ہے اک اور بھی ابھی

۳۸۔ **سیّد الطاف حسین احقر**، ۱۹۰۱ء، میں بمقام لاہور پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم پنجاب میں مکمل کی، ۱۹۲۴ء میں سندھ (حیدرآباد) آئے اور پی ڈبلو ڈی سندھ میں ملازمت اختیار کی، شاعری کی ابتداء ۱۹۲۸ء میں سکھر آل انڈیا کانفرنس کے موقع سے ہوئی۔ حیدرآباد کے اکثر و بیشتر مشاعروں میں شرکت کی اور کلام کی داد پائی لیکن اپنا کلام محفوظ نہ رکھ سکے، نعت اور مناجات فارسی میں اچھی کہتے تھے، اُردو میں بھی ان کا کلام خاصا ہے۔ نمونہ کلام:

آئے بھی وہ مجھے خبر نہ ہوئی
ایسی لغزش تو عمر بھر نہ ہوئی
میری غفلت کی انتہا دیکھو
دل میں بیٹھے کی بھی خبر نہ ہوئی

۳۹۔ **عبداللہ خواب** ۹ شوال المکرم ۱۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے، سولہ سترہ سال کی عمر سے سندھی

میں شاعری شروع کی۔ ۴۳-۱۹۴۲ء میں جب حیدرآباد میں سیّد حاجی شاہ کے مزار مقدس کے قریب انجمن ترقی ادب اُردو کے مشاعرے منعقد ہونے لگے تو خوابؔ صاحب نے اُردو میں بھی طبع آزمائی کی۔ نمونہ کلام:

پانی ہوا ہے غم سے لہو انتظار میں
اب خون نام کو بھی نہیں جسم زار میں
ہر لمحہ انقلاب و تغیر کے باوجود
آیا نہ فرق گردش لیل و نہار میں

۴۰۔ **سرور علی سرور** ۱۸ مارچ ۱۹۰۹ء کو کراچی ۲۱ میں پیدا ہوئے، اُردو نظم و نثر دونوں پر قدرت رکھتے تھے۔ ادبی مشغلوں میں بڑے سرگرم تھے، اس کے علاوہ ان کا اُردو غزل میں بھی ایک ممتاز مقام تھا۔ ۲۷ فروری ۱۹۶۹ء کو حیدرآباد میں انتقال فرمایا۔ نمونہ کلام:

موت کا انتظار کون کرے
غم کی چالوں سے ٹل نہ جائے کہیں
ان کے آنے سے بزم میں سرور
رسم دنیا بدل نہ جائے کہیں

۴۱۔ **محمد سعید خان** ولد مولوی محمد عالم خان، یکم جولائی ۱۹۰۸ء میں بمقام قائم گنج پیدا ہوئے، تخلص سعید تھا، سندھ میں ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو بغرضِ ملازمت آئے اور یہیں کے ہو رہے، ۱۹۳۰ء سے باقاعدہ شاعری شروع کی اور انجمن ترقی اُردو کراچی اور جمعیت الشعراء اُردو کراچی کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہے، جولائی ۱۹۴۲ء میں تبدیل ہو کر حیدرآباد آئے۔ نمونہ کلام:

ہر کوئی سیّد ہے خاں ہے آج کل
جوہر ذاتی کہاں ہے آج کل
مسکہ پالش میں بی اے کرلیجیے
یہ بھی اعلیٰ امتحاں ہے آج کل

درج بالا شعراء کے علاوہ رشید احمد لاشاری، میرزا عباس علی بیگ، لطف علی شاہ منظور نقوی، مرزا فیض علی، عبدالمجید کیف وغیرہ اور بہت سے دوسروں کا اردو کلام تقسیم سے قبل ابتدائی منزلوں میں تھا اور ان کی شاعری کے جوہر تقسیم کے بعد کھلے اس لیے ان کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا ہے ۲۲۔

۴۔ حیدر آباد کے مشاعرے:

کلہوڑا اور تالپر حکمران علم و ادب کے دلدادہ اور پرور دہ تھے، خصوصاً تالپروں کے دور میں علماء، فضلاء، ادباء اور شعراُ کی ایک بڑی تعداد ان کے دربار سے وابستہ تھی اور یہ حکمران ان کی سرپرستی کرتے تھے اور حیدر آباد چوں کہ ان کا پایۂ تخت تھا اس لیے یہاں اکثر علم و ادب کی محفلیں سجا کرتی تھیں اور پورے سندھ میں ٹھٹہ کے بعد اس شہر کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ یہاں پہلے فارسی اور پھر فارسی، اُردو اور سندھی مشاعروں کی ابتداء ہوئی: ''۱۹۱۰ء سے حیدر آباد سندھ میں مشاعرے شروع ہوئے لیکن کچھ عرصے بعد مشاعرے عموماً سندھی ہندؤں کی اُردو زبان کی مخالفت کی وجہ سے سندھی میں ہونے لگے''۲۳؎

مذکورہ اقتباس میں ممکن ہے صرف ''اُردو'' زبان میں مشاعروں کی ابتداء کے حوالے سے لکھا گیا ہو لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حیدر آباد کے مشاعروں میں فارسی اور سندھی میں کلام پڑھا جاتا ہو اور اُردو زبان میں نہ پڑھا جاتا ہو: ''عوامی مشاعروں کا رواج سندھ میں نہ تھا البتہ امراء کے گھروں پر چھوٹے چھوٹے اجتماعات ہوتے تھے جن میں عموماً فارسی اشعار سنائے جاتے تھے۔ نشستوں کے اختتام پر کبھی کبھی ریختہ (اُردو) شعر خوانی بھی ہو جاتی تھی۔

باقاعدہ مشاعروں کا آغاز انیسویں صدی عیسوی کی ساتویں دہائی سے ہوا اور میر عبدالحسین سانگی (والیِ حیدر آباد) نے اس کی داغ بیل ڈالی، یہ مشاعرے سندھی کے تھے جن کی دیکھا دیکھی اُردو میں بھی کبھی کبھار چھوٹے چھوٹے مشاعروں کا سراغ لگتا ہے۔ میر عبدالحسین سانگی خود بھی اُردو کے شاعر تھے لہٰذا اکثر اجتماعات میں وہ اُردو شعراُ کو پڑھنے کا موقع دیتے تھے''۲۴؎

حیدر آباد میں ایک اور مشاعرہ کا احوال ۱۹۲۴ء میں ملتا ہے: ''۱۹۲۴ء میں ایک اُردو کانفرنس حیدر آباد سندھ کے نوجوانوں کی طرف سے منعقد کی گئی جس کی صدارت صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے فرمائی۔ مصرعہ یہ تھا 'چشمِ موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی'۔۔۔''۲۵؎

جب کہ ڈاکٹر شاہد بیگم مشاعرہ کی صدارت کے بارے میں لکھتی ہیں: ''یہ مشاعرہ بھی مرزا قلیچ بیگ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا''۲۶؎

ڈاکٹر شاہدہ بیگم کی یہ رائے درست نہیں، میرے پیشِ نظر ''رپورٹ مشاعرہ کمیٹی مرتبہ رضا ہمدانی'' (مطبوعہ ۱۹۴۰ء) ہے جس کے صفحہ نمبر ۵ پر درج ہے: ''۱۹۲۴ء میں ایک اور کانفرنس بہ صدارت صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب حیدر آباد (سندھ) میں ہوئی جس میں بڑے پایہ کا مشاعرہ

ہوا‘‘ ۔

اسی رپورٹ کے صفحہ نمبر ۸ پر لکھا ہے: ’’پہلا سالانہ مشاعرہ حیدرآباد سندھ میں دسمبر ۱۹۲۴ء کو اُردو کانفرنس کے انعقاد پر جامِ میر ایوب خان صاحب میر بیرسٹر کی صدارت میں ہوا جس کا مصرع تھا ’چشمِ موسیٰ کو حسرت رہ گئی دیدار کی‘۔۔۔‘‘

ان حوالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کانفرنس کی صدارت صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے کی تھی جب کہ مشاعرہ جام میر ایوب کی صدارت میں پڑھا گیا تھا۔

مذکورہ کانفرنس اور مشاعرے کے سنِ اشاعت پر وثیق الرحمن صابر نے سندھی رسالے ’’ادیب سندھ‘‘ شمارہ فروری ۱۹۵۳ء اور ’’جمعیت الشعرائے سندھ‘‘ مرتبہ محمد علی جوہر کے حوالے سے لکھا ہے: ’’کانفرنس اور مشاعرے کے متعلق ۱۹۲۵ء درج ہے اور یہ پروگرام آل سندھ ادبی کانفرنس کے طفیل ہوا‘‘ ۔۲۷

اس کے علاوہ تقسیمِ ہند سے قبل حیدرآباد میں ’’انجمن ترقی اُردو‘‘ کی ایک شاخ بھی قائم ہوئی جس کے تحت یہاں کئی مشاعرے ہوئے: ’’بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب نے غالباً ۱۹۴۴ء کے آخر میں حیدرآباد میں ترویج اُردو کے لیے ’اُردو مرکز‘ قائم کیا تھا‘‘ ۔۲۸

ڈاکٹر شاہدہ بیگم نے اس حوالے سے مزید لکھا ہے: ’’جب انجمنیں قائم ہونے کا سلسلہ شروع ہوا تو حیدرآباد نے بھی تعاون کیا اور ۱۹۴۲ء میں یہاں انجمن ترقی اُردو کی شاخ کھل گئی۔۔۔ مشاعرے شروع ہو گئے، شاعر جمع ہونے لگے اور ہر طرف ادبی ماحول نظر آنے لگا‘‘ ۔۲۹

اس اجمالی جائزے سے پتا چلتا ہے کہ کلہوڑا دور سے ۱۹۴۷ء تک حیدرآباد (سندھ) میں ہندوستان کے ادبی مراکز کے شانہ بہ شانہ اردو شاعری پھلتی پھولتی رہی اور اس کو فروغ حاصل ہوتا رہا اور اس میں مقامی حکمرانوں، شعرا اور دیگر اہلِ زبانوں نے جس چاہت، لگن اور تندہی سے حصہ لیا وہ بھی قابلِ تحسین ہے، اسی طرح اس شاعری کا معیار و مقام بھی کسی طرح ہندوستان کی شاعری سے کم تر نہیں تھا بلکہ کچھ مقامی شعرائے تو اس میں نت نئے تجربے بھی کیے جیسے صورت سنگھ نے اپنے دیوان ’’دیوانِ صورت بہار‘‘ کے کلام کو راگوں کے اعتبار سے ترتیب دیا یہ اردو دواوین میں بالکل ایک نئے قسم کا تجربہ تھا۔

یوں تو حیدرآباد کے شعراء نے اپنی اردو شاعری میں زبان کی صفائی ستھرائی اور اس میں بتدریج ہونے والی تبدیلی و ارتقاء کا خیال رکھا مگر اس کے باوجود ان میں سے بعض شعرا کی اردو شاعری پر سندھی زبان اور اس کی بول چال کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل ہے، جب کوئی تخلیق کار

کسی دوسری زبان میں طبع آزمائی کرتا ہے تو عام طور پر ایسا ہو جاتا ہے کبھی عمداً اور کبھی غیر ارادی طور پر، یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ بلکہ اس سے الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا ہے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ عشرت علی خاں: ''حیدرآباد''، حیدرآباد، ادراک پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص ۱۱

۲۔ علی کوفی: ''فتحنامو (عرف چچنامو)، مترجمہ مخدوم امیر احمد، حیدرآباد، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۴ء، ص ۲۱۔۲۲

۳۔ ایضاً، ص ۱۷۸ اور ۱۸۰

۴۔ بلوچ، نبی بخش، ڈاکٹر: ''حیدرآباد جو شہر''، ناٹک صدی، حیدرآباد، مہران آرٹس کونسک، ۱۹۸۰ء، ص ۵۹

۵۔ بلوچ، نبی بخش، ڈاکٹر: ''شہر حیدرآباد کے دوسو سال''، حیدرآباد جشن دوصد سالہ (بروشر)، حیدرآباد، ایوانِ تجارت وصنعت، ۱۹٦۸ء، ص ۷

٦۔ مہر، غلام رسول، ''تاریخ سندھ (کلہوڑا دور)، جلد دوم''، کراچی، محکمۂ ثقافت و سیاحت، بار دوم، ۱۹۹٦ء، ص ٦۷۳، ٦۷۴

۷۔ ایضاً: ص ٦۷۴، ٦۷۵

۸۔ ''شہر حیدرآباد کے دوسو سال''، ص ۱۱

۹۔ ایضاً، ص ۱۳

۱۰۔ ''حیدرآباد''، ص ۴۱۔۴۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۸۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۱

۱۳۔ ''تاریخِ ادبِ اُردو، جلد اوّل''، ص ٦۹۱

۱۴۔ '' حیدرآباد شہر (ٹالپرن جی دور میں)''، ص ۷٦

۱۵۔ ایضاً: ص ۸۷

۱٦۔ ایضاً: ص ۹٦

۱۷۔ وفا راشدی، ڈاکٹر، ''مہران نقش''، کراچی، مکتبۂ اشاعت اُردو، ۱۹۸٦ء، ص ۱۱۷

۱۸۔ ''صورتِ بہار کی راگ مالا''، نئی قدریں، حیدرآباد، ص ۲۱

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۲

۲۰۔ محمد انوار الحق نے اپنے تذکرے ''تذکرہ شعراے اُردو حیدرآباد''، (مطبوعہ ۱۹۷۰ء) کے صفحہ نمبر ۸۱ پر ان کی تاریخِ پیدائش ۱۹ شوال لکھی ہے۔

۲۱۔ ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین نے ''سندھ کے اُردو نثر نگار''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ- ڈی، سندھ یونیورسٹی،۱۹۷۳ء، کے صفحہ نمبر ۲۹۳پران کی جائے پیدائش حیدرآباد کے ایک محلّے سلاوٹا لکھی ہے۔

۲۲۔ اس حصّے کو درج ذیل کتب، غیر مطبوعہ مقالات اور مضامین کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔

i۔ مشتاق علی جعفری: ''سندھ کے جدید اردو شعرا''(مطبوعہ ظہیر چوہدری، پروپرائیٹر ظہیر سنز، حیدرآباد، ۱۹۶۱ء)

ii۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ: ''سندھ میں اردو شاعری(از عہد شاہجہاں تاقیام پاکستان'' (مطبوعہ مہران آرٹس کونسل، حیدرآباد، طبع اوّل ۱۹۶۷ئ۔ ممتاز مرزا (ناشر)،حیدرآباد، طبع دوم ۱۹۷۰ء۔ مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع سوم۱۹۷۸ء)

iii۔ معراج نیّر: ''سندھ میں اردو شاعری کاارتقا''(مطبوعہ الحمرااکیڈمی،لاہور،۱۹۷۲ئ)

iv۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم: ''سندھ میں اردو'' (مطبوعہ اردواکیڈمی، کراچی،۱۹۸۰ئ)

v۔ میرزاعلی متقی بیگ: ''بزم تالپر'' (مطبوعہ دانش پبلیکیشن، حیدرآباد،۲۰۰۵ئ)

vi۔ ایس ایم منہاج الدین: ''سندھ کے اردو نثر نگار'' (مقالہ برائے پی ایچ-ڈی،سندھ یونی ورسٹی،۱۹۷۳ء)

vii۔ سرور جمال زئی: ''ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل کی ادبی خدمات''(مقالہ برائے ایم اے اردو، سندھ یونی ورسٹی،۸۱۔۱۹۸۰ء)

viii۔ غلام رسول بلوچ: ''میر عبدالحسین سانگی''(مطبوعہ رسالہ ''نئی قدریں''، حیدرآباد (سندھی ادب نمبر)شمارہ(۶۔۵) ۱۹۷۳ء

ix۔ محمد جاوید قریشی: ''حیدرآباد کے سندھی مشاہیر'' (مطبوعہ مجلہ ''کل پاکستان گولڈن جوبلی مشاعرہ''، حیدرآباد،۱۹۹۷ء)

۲۳۔ مشتاق علی جعفری، ''سندھ کے جدید اُردو شعرائ''، حیدرآباد،۱۹۶۱ء، ص۲۹

۲۴۔ ''سندھ میں اُردو''، ص۱۶۷

۲۵۔ ''سندھ کے جدید اُردو شعراء''، ص۲۹،۳۰

۲۶۔ ''سندھ میں اُردو''، ص۱۷۲

۲۷۔ وثیق الرحمن صابر: ''حیدرآباد کی ادبی تنظیمیں اور فروغِ ادب میں اُن کا کردار''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے، شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی، ۱۹۸۳ء، ص۳

۲۸۔ ''سندھ کے جدید اُردو شعراء''، ص۱۸۵

۲۹۔ ''سندھ میں اُردو''، ص۱۸۷